



Article QR

قرآن کریم پر اعتراضات کرنے والے معروف مستشرقین کا تعارف اور قرآنی نصوص پر
اعتراضات کا ایک تحقیقی تجزیہ

*An Introduction to Prominent Orientalists Who Criticized the
Qur`ān and a Research Based Analysis of Their Objections to
the Qur`ānic Text*

Hafiz Abdul Rafay Nawaz¹

Article History

Received
26-05-2026

Accepted
28-06-2026

Published
29-06-2026

Abstract & Indexing

WORLD of
JOURNALS

Crossref doi



ACADEMIA



Abstract

The Holy Qur`ān has remained the central source of Islamic faith, law, and civilization for over fourteen centuries. Alongside its profound influence, it has also been the subject of extensive scrutiny by Orientalist scholars, many of whom questioned its authenticity, textual preservation, historical reliability, and divine origin. This study introduces the most prominent Orientalists who raised objections to the Qur`ān and critically examines their arguments concerning the Qur`ānic text (*nuṣūṣ al-Qur`ān*). Employing a descriptive, analytical, and comparative methodology, the research explores the intellectual background and scholarly approaches of selected Orientalists before evaluating their claims in light of classical and contemporary Islamic scholarship. The study analyzes major objections related to the compilation and preservation of the Qur`ān, the authenticity of its text, the nature of revelation, linguistic characteristics, and allegations of external influences on its contents. These arguments are assessed through primary Islamic sources, including the Qur`ān, authentic ḥadīth literature, and the works of leading Muslim scholars of tafsīr, `ulūm al-Qur`ān, and Islamic history. The research demonstrates that many Orientalist criticisms stem from selective use of historical evidence, methodological inconsistencies, and inadequate engagement with the Islamic intellectual tradition. By presenting a balanced and evidence-based evaluation of Orientalist perspectives, this study seeks to clarify common misconceptions, strengthen scholarly understanding of Qur`ānic studies, and contribute to contemporary research on the interaction between Orientalism and the Islamic intellectual heritage.

Keywords:

Orientalism, Mustashriqūn, Qur`ānic Text, Qur`ānic Criticism, Orientalist Studies, Western Scholarship, Islamic Apologetics, Qur`ānic Studies, Historical Criticism, Textual Integrity of the Qur`ān.

¹ Research Scholar, Department of Quran and Sunnah, University of Karachi. hbabnaw@gmail.com



HIRA INSTITUTE
of World Sciences Research & Development



"Y" Category



REVIEWER
CREDITS

ROAD

OPEN ACCESS

تمہید

قرآن کریم وہ آخری الہامی کتاب ہے جو انسانیت کی ہدایت کے لیے نازل کی گئی۔ اپنی فصاحت و بلاغت، اعجاز اور غیر متبدل متن کی وجہ سے یہ کتاب ہر دور میں مرکز نگاہ رہی ہے۔ جہاں اس نے کروڑوں انسانوں کے قلوب کو منور کیا، وہیں دوسری طرف یہ کتاب ہمیشہ سے مخالفین اسلام اور نقد و جرح کرنے والوں کی توجہ کا محور بھی رہی ہے۔ ان مخالفین میں ایک اہم اور منظم طبقہ "مستشرقین" (Orientalists) کا ہے، جنہوں نے علمی تحقیق، لسانی مہارت اور تاریخی تنقید کے نام پر قرآنی نصوص کو اپنے مطالعہ کا موضوع بنایا۔

زیر نظر آرٹیکل میں علمی مباحث کا آغاز "استشراق" کے فنی و اصطلاحی تعارف سے کیا گیا ہے۔ لفظ استشراق کا مادہ اش ر ق ہے اور یہ باب استفعال سے مصدر ہے۔ اس میں "س" طلب کے مفہوم کے لیے ہے، اسی لیے اس کا اردو ترجمہ "شرق شناسی" کیا گیا ہے۔ علمی اصطلاح میں اہل مغرب بالعموم اور یہود و نصاریٰ بالخصوص جو مشرقی اقوام خصوصاً ملت اسلامیہ کے مذاہب، زبان و تہذیب و تاریخ ادب انسانی قدروں، ملی خصوصیات، وسائل حیات اور امکانات کا مطالعہ معروضی تحقیق کے لبادے میں اس غرض سے کرتے ہیں کہ ان اقوام کو اپنا ذہنی غلام بنا کر اپنا مذہب اور تہذیب مسلط کر سکیں اور ان پر سیاسی غلبہ حاصل کر کے ان کے وسائل حیات کا استحصال کر سکیں، ان کو مستشرقین کہا جاتا ہے اور جس تحریک سے وہ منسلک ہیں وہ تحریک استشراق کہلاتی ہے۔ تاریخی طور پر یہ یہ مستشرق اور Orientalist اصطلاح زیادہ قدیم نہیں ہے۔ آرتھر جان آربری کے مطابق 1630ء میں پہلی دفعہ لفظ "مستشرق" یونانی یا عیسائی کلیسا کے ایک پادری کے لیے استعمال ہوا۔ ڈاکٹر عمر بن ابراہیم رضوان کے مطابق انگریزی زبان میں (Orientalist) کا لفظ پہلی دفعہ 1779ء میں استعمال ہوا، جبکہ میکسیماروڈنسن کے مطابق یہ فرینچ میں 1799ء اور انگریزی میں 1838ء میں سامنے آیا۔ بیسویں صدی کے نصف ثانی میں جب مستشرقین کا علمی تعاقب کیا گیا تو انہوں نے اس لفظ کو ناپسند کرنا شروع کر دیا۔ 1973ء میں پیرس کی عالمی کانفرنس میں اس اصطلاح کو ترک کرنے کا فیصلہ ہوا اور اس کی جگہ مستشرقین (Arabists)، اسلامیون (Islamists)، یا ماہرین مطالعہ ممالک (Area Studies Experts) جیسی اصطلاحات پر اتفاق ہوا۔ جان ایل ایسپوزیٹو جیسے مستشرقین بھی اب خود کو "Orientalist" کے بجائے "Islamist" کہلوانا پسند کرتے ہیں جیسا کہ آگے تفصیلاً بتایا گیا ہے۔ بہر حال اسٹائنٹ میں استشراق کی لغوی اصطلاحی وضاحت، لفظ استشراق کا پہلی مرتبہ استعمال، مستشرق کی اصل حقیقت اور عصر حاضر میں مستشرق کے لیے استعمال ہونے والی دیگر اصطلاحات کی مفصل وضاحت (واضح رہے کہ آرٹیکل میں ان ابتدائی باتوں کا ذکر کرنا اس لیے ضروری تھا کہ آرٹیکل کو سمجھنا اور آرٹیکل کے اصل مقصد تک رسائی حاصل کرنا ابتدائی باتوں کے بغیر ممکن نہ تھا) کے بعد پھر قرآن کریم پر اعتراض کرنے والے چند مشہور مستشرقین کا تذکرہ کیا گیا ان کا علمی پس منظر اور طریقہ کار اور ان سے متعلق دیگر تفصیلات کو واضح کیا گیا۔ ان میں تھیڈور نولڈ کے، ولیم کلیئر ٹزڈال، رچرڈ نیل اور آرتھر جیفری جیسے بڑے نام شامل ہیں۔ ان شخصیات کے علمی پس منظر اور ان کی تصانیف کا جائزہ لینے کا مقصد اس فکری بنیاد کو سمجھنا ہے جس کے تحت انہوں نے اسلامی علوم پر قلم اٹھایا۔

اس تعارف کے بعد آرٹیکل کا اگلا اہم ترین پہلو ان اعتراضات کا تحقیقی جائزہ لیا گیا جو مستشرقین نے قرآنی نصوص پر اٹھائے ہیں۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں مستشرقین نے منظم انداز میں قرآنی وحی کی حقیقت کو نشانہ بنایا، کبھی اسے (نعوذ باللہ) محض کلام نفسی قرار دیا تو کبھی اسے 'بائبل سے ماخوذ اثبات کرنے کی کوشش کی۔ ان کے اعتراضات کا دائرہ کار قرآن کے رسم خط سے لے کر اس کے لسانی ڈھانچے اور غیر عربی الفاظ کی شمولیت کے الزامات تک پھیلا ہوا ہے۔ اس تحقیق کا بنیادی مقصد مستشرقین کے ان فکری مغالطوں کا پردہ چاک کرنا ہے جو انہوں نے 'تحقیق' کے پردے میں پھیلانے ہیں، تاکہ علمی بنیادوں پر قرآن کریم کی حقانیت اور اس کے تحفظ کی تاریخی حقیقت کو ثابت کیا جاسکے اور پھر آخر میں آرٹیکل کا خلاصہ پیش کر کے آرٹیکل کو اختتام پذیر کیا گیا۔

استشراق کا لغوی و اصطلاحی مفہوم:

لفظ استشراق کا مادہ "شین، ر، ق" ہے اور یہ باب استفعال کا مصدر ہے۔ باب استفعال کا خاصہ طلب کی وجہ سے اس میں لفظ "س" طلب کا مفہوم ادا کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس لفظ کا اردو ترجمہ "مشرق شناسی" کیا گیا ہے۔¹

عام فہم الفاظ میں استشراق کا معنی "مشرق کو جاننے کی طلب یا خواہش رکھنا ہے" اس کے علاوہ اس کی مختلف ادوار میں مختلف لوگوں نے الگ الگ تعریف بیان کی ہیں اس میں سے کچھ اہم یہ ہے:

1. غیر مشرقی لوگوں کا مشرقی زبان میں تہذیب، فلسفہ، ادب اور مذہب کے متعلق میں مشغول ہونے کا نام استشراق ہے۔
2. ایک جامع تعریف یہ کی گئی ہے کہ مغربی اہل کتاب مسیحی مغرب کی اسلام مشرق پر نسلی اور ثقافتی برتری کے ظلم کی بنیاد پر مسلمانوں پر اہل مغرب کا لطف قائم کرنے کے لیے مسلمانوں کو اسلام کے بارے میں گمراہی اور شک میں مبتلا کرنے اور اسلام کو منہج شدہ صورت میں پیش کرنے کی غرض سے مسلمانوں کو عقیدہ، شریعت، ثقافت، تاریخ، نظام اور وسائل و امکانات کا جو مطالعہ غیر جانبدارانہ تحقیق کے دعوے کے ساتھ کرتے ہیں اسے استشراق کہا جاتا ہے۔²

لیکن اس تعریف میں یہ خامی ہے کہ اس میں سارا زور مستشرقین کو اسلام اور مسلمانوں پر کام کرنے والوں کو کہا گیا ہے جو ٹھیک نہیں۔ کیونکہ ہر وہ غیر مشرقی شخص جو مشرقی علوم و ادیان اور تہذیبوں پر کام کرتا ہے وہ بھی معروف معنی میں مستشرق ہے۔ جبکہ ایک عرب ڈاکٹر محمد ابراہیم الفیومی رودی (بارت) کے حوالے سے لکھتے ہیں: مستشرقین کی اصطلاح میں لفظ مستشرق کا جغرافیائی مفہوم مراد نہیں بلکہ ان کے ہاں اس سے مراد استشراق اور مستشرق میں زمین کے وہ خطے ہیں جن پر اسلام کو فروغ حاصل ہوا۔ گویا لفظ مشرق سے مراد اسلامی ممالک ہیں اور دنیائے اسلام کو وہ مستشرق کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ مشرق کے اس مفہوم کے تحت مستشرقین کی عملی جدوجہد جن خفیہ مقاصد کی غمازی کرتی ہے اور جن کا اظہار بھی کبھی بعض مستشرقین کی طرف سے ہوتا ہے ان کو اور مستشرقین کے بے شمار علمی کارناموں اور ان کے مختلف طبقات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مستشرقین کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے:

اہل مغرب بالعموم اور یہود و نصاریٰ بالخصوص جو مشرقی اقوام خصوصاً ملت اسلامیہ کے مذہب، زبان، و تہذیب و تاریخ، ادب انسانی قدروں، ملی خصوصیات، وسائل حیات اور امکانات کا مطالعہ معروضی تحقیق کے لہادے میں اس غرض سے کرتے ہیں کہ ان اقوام کو اپنا ذہنی غلام بنا کر ان پر اپنا مذہب اور تہذیب مسلط کر سکیں اور ان پر سیاسی غلبہ حاصل کر کے ان کے وسائل حیات کا استحصال کر سکیں، ان کو "مستشرقین" کہا جاتا ہے اور جس تحقیق سے وہ منسلک ہیں وہ "تحریک، استشراق" کہلاتی ہے۔

ڈاکٹر عمر بن ابراہیم رضوان نے استشراق کی تعریف کچھ یوں کی ہے "پس استشراق سے مراد اہل مغرب کا مشرق کے عقائد، تاریخ اور فنون وغیرہ کا مطالعہ کرنا ہے"³

استاد فاروق عمر فوزی استشراق کا معنی و مفہوم متعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں: استشراق ایک ایسا علم ہے جو مشرق کی زبان و علمی ورثہ تہذیبوں، معاشروں، ماضی اور حال کے بارے میں بتلاتا ہے۔² مختصر الفاظ میں "استشراق مغرب پر غلبے اس کی تشکیل جدید اور اس پر تفوق کا مغربی اسلوب ہے"

لفظ مستشرق کا پہلی مرتبہ استعمال:

استشراق اور مستشرق کی اصطلاحیں لغوی اعتبار سے زیادہ قدیم نہیں ہے بلکہ انگریزی زبان و ادب میں ان کا استعمال اپنے مخصوص مذاہب عالم میں اٹھارویں صدی کے آخر میں شروع ہوا۔⁴

آرتھر جان آربری Arthur John barberry (متوفی 1949) کے مطابق 1630 میں پہلی دفعہ لفظ مستشرق یونانی یا عیسائی کلیسا کے ایک پادری کے لیے استعمال ہوا، میکسیماروڈنسن متوفی 2004 کے مطابق یہ لفظ 1799 میں فرینچ اور 1838 میں انگریزی زبان میں پہلی بار استعمال ہوا۔ ڈاکٹر عمر بن ابراہیم رضوان کا کہنا ہے کہ انگریزی زبان میں Orientalist کے لفظ کا پہلی دفعہ استعمال 1779 میں ہوا۔⁵

مستشرق کی اصل حقیقت:

ڈاکٹر اسماعیل محمد بن علی کا کہنا ہے کہ اس بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ مستشرق وہ ہے جو مغربی اسکالر ہو، چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ لیکن نجیب العقیقی نے بعض مشرقی علماء کو بھی مستشرقین میں شمار کیا ہے۔⁶

ڈاکٹر علی بن ابراہیم نملہ نے ڈاکٹر عمر فروخ پر نقد کرتے ہوئے کہا ہے کہ "مستشرق کو مغرب کے ساتھ خاص کر نادرست نہیں ہے بلکہ مشرق میں رہنے والے مشرقی علوم کے ماہر عربی النسل اور عجمی یہود و نصاریٰ بھی مستشرقین میں شامل ہو سکتے ہیں" اور یہی رائے درست معلوم ہوتی ہے۔

عصر حاضر میں مستشرق کے لیے استعمال ہونے والی دیگر اصطلاحات:

بیسویں صدی عیسوی کے نصف ثانی میں عالم اسلام میں تحریک استشراق اور مستشرقین کی جو خبر لی گئی ہے اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب مستشرقین اپنے لیے مستشرق یا (Orientalist) کا لفظ پسند نہیں کرتے ہیں۔ 1973 میں پیرس میں مستشرقین کی ایک عالمی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں اس اصطلاح کو ترک کرنے کا فیصلہ صادر ہوا جو کہ اتفاقی تھا اور آئندہ کے لیے مستشرقین (Arabists) یا باحثون فی العلوم الانسانیہ (humanist) یا ماہرین مطالعہ ممالک (Area Studies Expert) وغیرہ جیسی اصطلاحات استعمال کرنے پر اتفاق ہوا۔ اطالوی نژاد امریکی مستشرق ایسپوزیٹو کا کہنا ہے کہ اسے یہ بالکل بھی پسند نہیں ہے کہ اسے Orientalist کے نام سے پکارا جائے۔ بلکہ وہ اپنے آپ کو Aslamist کہلوانا پسند کرتا ہے۔⁸

یہاں تک استشراق اور مستشرقین سے متعلق بنیادی اور اصطلاحی باتیں تفصیل سے ذکر کر دی گئی ہیں۔ جن کا جاننا انتہائی ضروری تھا کیونکہ اس کی تعبیر کے بغیر آرٹیکل کو سمجھنے اور اصل مقصد تک رسائی حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔

قرآن کریم پر اعتراضات کرنے والے چند مشہور مستشرقین کا تعارف:

بہت سے مستشرقین نے قرآن کریم پر اعتراضات اور اس میں رقیق اور بیہودہ قسم کے شبہات تلاش کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ان کو رسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا، انہی اعتراضات کرنے والے مستشرقین میں سے مشہور مستشرقین کا تعارف درج ذیل ہے۔

تھیڈور نولڈیکے (Theodor Noldeke): 1836-1930ء:

تعارف اور علمی مقام:

تھیڈور نولڈیکے ایک جرمن مستشرق تھا، 1886ء میں تاریخ قرآن پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اس کا یہ تحقیقی کام اس کے شاگرد فری برٹش شوالی (1863-1819) کے تعاون سے 1860 میں پہلی مرتبہ جرمن زبان میں شائع ہوا، جبکہ اس کا اصل مقالہ لاطینی زبان میں تھا یہ مقالہ The History of the Quran کے نام سے بعد میں شائع ہوا۔

یہ کتاب تین جلدوں میں ہے پہلی جلد 1909ء اور دوسری جلد 1919ء میں شائع ہوئی، جسے شوالی نے ایڈٹ کیا جبکہ تیسری جلد 1938ء میں شائع ہوئی۔ شروع میں تو اسے گاٹ ہیلف-گیٹس ٹراس ایڈٹ کرتا رہا جبکہ اس کی وفات کے بعد آٹومینوش نے ایڈٹ کیا۔⁹ نیز قرآن سے متعلق نولڈیکے کے خیالات 1891ء میں انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں The Quran کے نام سے ایک آرٹیکل کی صورت میں شائع ہوئے، نولڈیکے کو جرمن میں مستشرقین کا شیخ بھی کہا جاتا ہے۔ (University of stras boy) فرانس میں مشرقی علوم کا استاد رہا ہے، اسے یونانی علوم و فنون کے علاوہ عبرانی، سریانی اور عربی زبان میں بھی خاصہ درک حاصل رہا تھا۔ اس کی کتاب تاریخ قرآن the history of the Quran مستشرقین کی نظر میں علوم قرآن پر ایک مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔

تحریر کا اسلوب:

نولڈیکے کی تحریر منتشر اور غیر ضروری طوالت کا شکار ہے، وہ ایک معمولی اعتراض کو اتنی تمہید اور طول دے کر بیان کرتا ہے کہ قاری اس میں الجھ کر رہ جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کا کام تین جلدوں میں پھیلا ہوا ہے جسے ایڈٹ کرنے میں اس کے شاگردوں کو 40 سال لگ گئے۔ قرآن مجید اور وحی کے بارے میں نظریہ:

نولڈیکے کا خیال ہے کہ قرآن مجید پیغمبر اسلام ﷺ کی ذاتی تصنیف ہے اور وحی آپ سے ایک بے قابو ہیجان میں صادر ہوتی ہے جسے وہ (uncontrollable Excitement) کا نام دیتا ہے۔ اس کے نزدیک وحی آسمانی نہیں بلکہ آپ ﷺ کی اپنی ذات کی پیداوار تھی اور اس کے نزدیک غار حرا کی گوشہ نشینی نے آپ ﷺ کے دماغ کو جلابخشی اور منکرین کی مخالفت نے ایک خاص کیفیت پیدا کر دی تھی، نیز اس کے نزدیک آپ ﷺ یہودیت اور عیسائیت کی معلومات پہلے سے رکھتے تھے۔

شاعرانہ تشبیہ کا مغالطہ:

نولڈیکے کہتا ہے کہ جس طرح شاعر کے سینے سے شعر نکلتا ہے اسی طرح آپ ﷺ سے یہ کلام صادر ہوتا تھا، فرق یہ ہے کہ شاعر اپنے شعر کو اپنی تخلیق سمجھتا ہے جبکہ آپ نے خیالات کے تحت صادر ہونے والے اپنے ہی کلام کو (اپنی زاہدانہ طبیعت کی وجہ سے) اللہ کی وحی سمجھ لیا۔

اس بارے میں نولڈیکے نے کافی لمبی چوڑی عبارت لکھی، بندہ یہاں چند سطور نقل کر رہا ہے۔

How these Revelations Actually Arose in Muhammad,s Mind is a Question which it is Almost as IDle to Discuss as it Would be to Analyze the Working of the maind of poet in this early career Sometimes pe Rhaps in it's latter stages also many Revelations Must have Brust Frone Him in uncontrollable.

نولڈیکے کے شائع شدہ تحقیقی مقالے کی جلد اول، دوم، سوم کا جائزہ:

نولڈیکے کے شائع شدہ تحقیقی مقالے کی تین جلدوں میں سے پہلی جلد کا موضوع وحی کی نوعیت اور اس کی حیثیت کا تعین ہے۔ جلد اول میں اس نے قرآن کریم کی مکی اور مدنی سورتوں کے اسلوب بیان کو بھی موضوع بحث بنایا ہے، اس کا کہنا ہے کہ مکی سورتوں کا اسلوب کلام شاعرانہ ہے جبکہ مدنی سورتیں طویل نثر کے اسلوب پر ہیں۔ مکی سورتوں کو اس نے مزید تین ادوار یعنی ابتدائی، وسطی اور آخری دور میں تقسیم کیا ہے۔ اس نے قرآنی سورتوں کو اسلوب کلام کے پہلو سے چار اجزاء میں تقسیم کر دیا ہے۔

دوسری جلد دور نبوی ﷺ اور خلافت ابو بکرؓ اور خلافت عثمانؓ و قرآن مجید کی جو جمع و تدوین کے بارے میں شکوک و شبہات سے بحث کرتی ہے نولڈیکے کا کہنا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں قرآن مجید کا جو سرکاری نسخہ تیار کیا گیا تھا اس میں وحی کا ایک حصہ شامل ہونے سے رہ گیا تھا اس کے بقول قرآن کے وقت یا تو حضرت زیدؓ جو قرآن مجید کی تدوین کی کمیٹی کے سربراہ تھے ان سے کچھ سورتیں پوشیدہ رہ گئیں یا پھر انہوں نے بڑوں کی فرمانبرداری میں کچھ ایسے دشمنان اسلام کا ذکر قرآن مجید سے نکال دیا جو بعد میں اسلام لے آئے تھے، اس جلد میں اس نے قرآن مجید کے بارے میں اہل تشیع اور عیسائیوں کا موقف بھی بیان کیا ہے۔

تیسری جلد قرآن کی قرأت Quran Variant Reading of the Holy اور رسم قرآنی کے متعلق اعتراضات پر مشتمل ہے۔ اس کے خیال میں رسم عثمانی میں بہت سی اغلاط موجود ہیں۔

نولڈیکے کے نظریہ وحی کا علمی و عقلی رد:

قرآن مجید اور اس کے خارج میں ایسے ایسے صریح دلائل بکثرت موجود ہیں جو نولڈیکے کے اس نظریے کو باطل قرار دیتے ہیں کہ وحی کا باعث اللہ کے رسول ﷺ کی انفعالی کیفیات تھیں نہ کہ داخلی کیفیات اور نہ وحی کا مصدر رسول اللہ ﷺ کی ذات تھی چنانچہ دلائل درج ذیل ہیں:

1. واقعہ اٹک: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت: اگر وحی آپ ﷺ کے اختیار میں ہوتی تو آپ ﷺ اپنی محبوبہ زوجہ کی برأت فوراً کر دیتے لیکن وحی کے لیے آپ ﷺ کو ایک ماہ تک انتظار کرنا پڑا اور ذہنی اذیت برداشت کرنی پڑی۔
2. مشرکین کے سوالات: جب آپ ﷺ سے روح، ذوالقرنین اور اصحاب کہف کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے بروقت جواب نہ دیا جس کی وجہ سے انہوں نے آپ ﷺ پر طعن و تشنیع کی اس معاملے میں بھی اگر وحی آپ کے اختیار میں ہوتی تو فوراً جواب دیتے بلکہ دنیا کے معروف ادب کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ بلاشبہ ایسے مواقع کسی بھی شاعر یا قادر کلام کے لیے بہترین شعر یا کلام کہنے کی نسبت سے زیادہ مناسب شمار ہوتا ہے، لہذا نولڈیکے کی آپ ﷺ کو مثل شاعر قرار دینے والی بات کا بھی رد ہو گیا۔
3. اسی طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام بعض اوقات آپ ﷺ کے پاس انسانی شکل میں بھی آتے تھے اور آپ ﷺ کو کبھی یہ وہم نہ ہوا کہ آپ ﷺ نے کسی صحابی کو جبرئیل سمجھ لیا ہو چنانچہ یہ تمام قرآن اور شہادت واضح کرتی ہیں کہ وحی کا مصدر آپ کے خارج میں تھا نہ کہ آپ ﷺ کی ذات میں اور خارج میں بھی وہاں جہاں آپ ﷺ کو اختیار نہیں تھا۔¹⁰

نولڈیکے کے نظریہ وحی کے رد پر ایک اور دلیل اور قرآن مجید آپ کی ذاتی تصنیف نہ ہونے پر ثبوت:

سورة احزاب آیت نمبر 37 واذ تقول للذی انعم الله عليه وانعمت عليه امسک عليك زوجک¹¹ یعنی اور پیغمبر یاد کرو جب تم اس شخص سے جس پر اللہ نے بھی احسان کیا تھا اور تم نے بھی احسان کیا تھا یہ کہہ رہے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رہنے دو اللہ سے ڈرو اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھول دینے والا تھا اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے حالانکہ اللہ زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔

اب دیکھیں یہ آیت نولڈیکے کے نظریہ وحی پر تردید میں اہم ترین دلیل اور قرآن کا آپ ﷺ کی تصنیف نہ ہونے پر واضح ثبوت ہے کیونکہ حضرت زینب بنت جحش اور حضرت زید بن حارثہ کے معاملے میں اللہ نے آپ ﷺ کو مخاطب کر کے وہ باتیں بھی ظاہر کر دیں جو چیزیں آپ معاشرتی دباؤ کی وجہ سے چھپانا چاہتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ کے بقول اگر آپ نے قرآن میں کچھ چھپانا ہوتا تو یہ آیت ضرور چھپاتے۔¹² چنانچہ یہ آیت مبارکہ واضح ثبوت ہے کہ وحی کا منبع آپ کی داخلی کیفیات نہ تھیں اور قرآن کریم آپ کی ذاتی تصنیف نہ تھی۔

ترتیب نزولی اور مستشرقین کا طریقہ کار:

نولڈیکے اور دیگر مستشرقین (جیسے رچرڈ نیل) نے سورتوں کی ترتیب نزولی طے کرنے کی کوشش کی اور ان سب کا آپس میں اختلاف ہے۔ نولڈیکے جیسے مستشرقین کا معاملہ یہ ہے کہ وہ ترتیب نزولی متعین کرنے کے لیے تفسیری روایات کے بجائے اپنے مروجہ اصولوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ جیسا کہ قرآنی نص کے تحلیلی جائزے کے ذریعے اس کا زمانہ متعین کرنا وغیرہ اس طرح کے اصول یقینی طور پر کسی نص کے زمانہ نزول کو متعین نہیں کر سکتے، البتہ گمان یا احتمال کی حد تک علم حاصل ہو سکتا ہے اور اس احتمالی علم کی بنیاد پر کسی علمی مؤقف کی بنیاد رکھنا درست نہیں۔¹³

ولیم کلیئر ٹزڈال (William clair tisdall 1859-1928ء):

ولیم کلیئر ٹزڈال William clair tisdall برطانوی مستشرق ہے جو عربی سمیت کئی ایک مشرقی زبانوں کو جانتا تھا۔ یہ چرچ آف انگلینڈ کی طرف سے ایران میں قائم مشنری سوسائٹی کا سیکرٹری بھی رہا، اس نے فارسی، ہندی، گجراتی، پنجابی زبانوں کی گرامر مرتب کی ہے قرآن پر اس نے دو کتابیں لکھی ہیں۔

- 1) The sources of Islam
- 2) The original sources of the Quran¹⁴

ولیم کلیئر ٹزڈال William clair tisdall کی کتاب The original sources of the Quran چھ ابواب پر مشتمل ہے جس کا خلاصہ ہے کہ قرآن مجید وحی الہی اسمانی کتاب نہیں ہے اور یہ کتاب دور جاہلیت کے عرب مذاہب عیسائیت، یہودیت، صابائیت، حنفیت اور دین زرتشت کے افکار و اعمال کا ملغوبہ ہے۔

کتاب کا پہلا باب تعارفی ہے جس میں ولیم کلیئر ٹزڈال قرآن کو حضور ﷺ کی ذاتی تصنیف قرار دیتا ہے۔ اس کے اعتراض کی بنیاد یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اگر سورتوں کو ترتیب نزولی سے دیکھا جائے تو قرآن اور رسول ﷺ کی زندگی کے حالات میں حد درجہ مماثلت ملتی ہے اس کے بقول نعوذ باللہ آپ ﷺ ایک کامیاب زندگی کے حصول کے لیے حالات کے مطابق خود وحی گھڑتے تھے اور اس کو خدا کی طرف منسوب کر دیتے تھے (العیاذ باللہ)

اعتراض کا علمی رد:

ٹزڈال کا یہ اعتراض نہایت سطحی درجے کا ہے کیونکہ قرآن مجید کی آیات کا اللہ کے رسول کے احوال زندگی سے موافق ہونا بالکل واضح ہے کہ اللہ اپنے پیغمبر اور ان کے متبعین کی رہنمائی چاہتے ہیں، لہذا آپ اور صحابہ کی جماعت کو جس طرح کے حالات کے مسائل کا سامنا تھا اس کے مطابق وحی نازل ہوتی رہی، پس قرآن مجید میں محمد ﷺ اور آپ کی جماعت کو درپیش مسائل سے مسلسل خطاب اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ قرآن پیغمبر اسلام ﷺ کی ذاتی تصنیف ہے۔¹⁵

رچرڈ بیل (1876-1902ء):

The Qur'an: رچرڈ بیل ایک برطانوی مستشرق تھا 1937 - 1939 کے مابین اس نے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ (Translated, with a Critical Rearrangement of the Surahs) شائع کیا اور 1953 میں اپنا مشہور مقدمہ (introduction to the Quran) شائع کیا جو 1970 میں منگھری واٹ کے ساتھ دوبارہ شائع ہوا۔ اس کی ایک اور معروف کتاب The Origins of Islam in Its Christian Enviorment کے نام سے بھی ہے جو 1925 میں شائع ہوئی۔ یہ تینوں کتابیں ایڈنبرا یونیورسٹی پریس نے شائع کی۔ رچرڈ بیل یونیورسٹی آف ایڈنبرا برطانیہ میں عربی زبان کا استاذ رہا ہے۔

رچرڈ بیل نے اپنے مقدمے کو دس فصول میں تقسیم کیا ہے۔

1. پہلی فصل (مذہبی اثرات) میں اس نے اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے کے حالات و نظریات کو بیان کیا ہے۔ اس میں اس نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ قرآنی اسلوب کلام یہودیت، عیسائیت، حنفیت، زرتشتی مذہب سے متاثر ہے۔
2. دوسری فصل (نزول و جمع قرآن) اس میں اس نے قرآن کریم میں کمی بیشی کا دعویٰ کیا ہے اور دلیل کے طور پر بعض متواتر اور شاذ قراءات کو بیان کیا ہے۔ ان قراءتوں کے بیان سے رچرڈ بیل یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ یہ صحابہ کے مصاحف قرآنیہ کا اختلاف تھا جبکہ قرأت کا اختلاف دراصل لہجات کا تنوع تھا۔
3. تیسری فصل تقسیم (تقسیم قرآن) قرآن یعنی پاروں اور سورتوں کی تقسیم کو تلاوت کی سہولت قرار دیتا ہے اور معوذتین کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے موقف کو بطور اعتراض پیش کرتا ہے۔
4. چوتھی فصل (اسلوب کلام) رچرڈ بیل کا خیال ہے کہ قرآن کا اسلوب کلام کاہنوں کے طرز گفتگو (مسیح کلام) جیسا ہے۔¹⁶
5. پانچویں فصل (نحوی و عبارتی بحث) سورتوں کی طوالت و تکرار پر بحث کرتے ہوئے وہ بعض قرآنی عبارتوں کو نامکمل قرار دیتے ہوئے اپنی طرف سے ان میں اضافہ تجویز کرتا ہے۔
6. 7. چھٹی اور ساتویں فصل (ترتیب و مفاہیم) ان فصول میں سورتوں کی ترتیب نزولی اور بعض مخصوص آیات کے معنی و مفاہیم پر گفتگو کی گئی ہے۔
7. 8. آٹھویں فصل (مصادر) قرآن مجید کے موضوع اور اس کے مصادر ہیں جس میں اس نے قرآن مجید کے تصور توحید اور اسماء و صفات جیسے مضامین کے مصادر متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔
8. 9. نویں فصل قرآنی تعلیمات اس فصل میں رچرڈ بیل نے قرآن کے موضوع عقائد عبادات اور اخلاقی احکامات کا تجزیہ کیا ہے مگر اس کا مقصد ان تعلیمات کو محض سابقہ مذاہب کا تسلسل ثابت کرنا ہے۔
9. 10. دسویں فصل (اسلام اور دیگر مذاہب) اس میں اسلام کی یہودیت اور عیسائیت کے ساتھ تعلق پر بحث کی گئی ہے تاکہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ ایک قرآن کا مواد نعوذ باللہ آسمانی نہیں بلکہ تاریخی اور انسانی ذرائع سے حاصل شدہ ہے۔¹⁷

آرتھر جیفری (1892-1959ء):

آرتھر جیفری کینیڈین نژاد آسٹریلیا میں مستشرق تھا، کولمبیا یونیورسٹی نیویارک میں ساری زبانوں کا پروفیسر تھا۔ مشرق وسطیٰ کے اسلامی خطوط کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا قرآن مجید پر بھی اس نے کام کیا ہے اس کی مشہور کتاب Materials for the History of the Text of the Quran جس کی بنیاد ابو داؤد شریف کی کتاب کتاب المصاحف پر ہے، آرتھر جیفری کی تمام کتابوں اور مقالہ جات کا مرکزی

خلاصہ تقریباً ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ بائبل کی طرح قرآن مجید بھی کوئی مستند مذہبی کتاب نہیں۔ آر تھر جیفری نے ابن ابی داؤد کی کتاب کو ایڈٹ کر کے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کے شروع میں اس نے عربی مقدمے میں قرآن مجید کے بارے میں اپنے فرسودہ خیالات اور نظریات کا اظہار کیا ہے۔ آر تھر جیفری کی تحقیق سے مزین کتاب المصاحف 1937ء میں پہلی بار شائع ہوئی، اس اشاعت کے شروع میں اس نے اپنی کتاب Materials کو بھی شائع کیا ہے۔

آر تھر جیفری کا کہنا ہے کہ "پیغمبر ﷺ کے زمانے میں قرآن مجید تحریری صورت میں موجود نہیں تھا" جیفری نے اپنے موقف کی بنیاد جس روایت کو بنایا اس کے الفاظ ہیں

"قبض رسول الله و لم يكن القرآن جمع في شيء" ¹⁸

اللہ کے رسول ﷺ کی وفات اس حال میں ہوئی کہ قرآن مجید کسی چیز میں جمع نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن آر تھر جیفری کے لیے جواب یہ ہے کہ اس روایت کا تعلق قرآن کو ایک جگہ "بین الدفتین" یعنی کتابی شکل میں جمع کرنے سے ہے نہ کہ سرے سے لکھنے کے انکار سے۔ چنانچہ مستند روایات اور حضرت ابن مالکؒ کی گواہی سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی میں ہی صحابہ مثلاً زید ابن ثابتؓ، ابی ابن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ وغیرہ قرآن لکھا کرتے تھے۔

جیفری، آر تھر، رچرڈ اور منگمری کا دعویٰ ہے کہ حضور ﷺ پڑھنا لکھنا جانتے تھے، منگمری واٹ نے دلیل کے طور پر کہا ہے کہ آپ ﷺ ایک تاجر تھے تجارت کے پیش نظر آپ ﷺ کو حساب کتاب کے لیے پڑھنے لکھنے کی ضرورت تھی۔ لہذا آپ ﷺ پڑھے لکھے تھے۔ واٹ کے نزدیک قرآن میں جو امی کا لفظ استعمال ہوا اس سے مراد غیر یہودی ہے نہ کہ ان پڑھ۔ جبکہ جیفری یہاں تک کہتا ہے کہ مغربی اسکالر کی تحقیق کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ مسلمانوں کے لیے اپنی زندگی کے آخری حصے میں ایک کتاب مرتب کر رہے تھے۔ لیکن مستشرقین کی یہ باتیں درست نہیں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ پڑھنا لکھنا جانتے تھے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و ما كنت تتلوا من قبله من كتب ولا تخطه بيمينك اذا لارتاب المبطلون ¹⁹ (عنکبوت 48)

اور تم اس سے پہلے نہ پڑھتے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو باطل والے بیخ نکال سکتے تھے۔ چنانچہ مذکورہ آیت مستشرقین کے دعوؤں کو رد کرتی ہے چنانچہ آپ ﷺ کا امی ہونا ہی ایک عظیم معجزہ ہے کہ آپ ﷺ امی ہونے کے باوجود زبان مبارک پر قرآن کریم جاری ہوا جو ایسا فصیح کلام ہے کہ پورا عرب اس کے مثل پیش کرنے سے عاجز ہو گیا۔ اگر آپ ﷺ پڑھے لکھے ہوتے تو آپ کے مخالفین کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ آپ ﷺ نے مضامین پڑھ کر اکٹھے کیے ہیں اگرچہ اعتراض اس پر فضول ہی ہوتا لیکن اب تو کہنے کا موقع ہی باقی نہ رہا۔

قرآنی نصوص پر مستشرقین کے اعتراضات:

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا آخری کلام اور انسانیت کے لیے ابدی دستور العمل ہے، جو عقل اور قلب دونوں کو تسکین فراہم کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی انقلاب انگیز کتاب ہے جس کی اثر انگیزی اور آب و تاب میں وقت گزرنے کے ساتھ کبھی کمی نہیں آسکتی، کیونکہ خود باری تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، دنیا کے دیگر مذاہب اور ان کی کتب کا انسانی زندگی سے عملی رشتہ تقریباً ٹوٹ چکا ہے جہاں مذہب محض چند رسومات تک محدود ہو کر رہ گیا ہے، اس کے برعکس امت مسلمہ اپنی تمام تر عملی کوتاہیوں کے باوجود آج بھی قرآن سے وابستہ ہے۔ ایک مسلمان کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ زندگی کے ہر شعبے میں شریعت کے دائرے کار میں رہے، مسلمانوں کا یہی ایمانی تعلق اور لادینی ثقافت کے سامنے ڈٹ جانے کا جذبہ

معاندین اسلام کو کھٹکتا ہے، اسی لیے انہوں نے قرآن کریم کو اپنے اعتراضات کا نشانہ بنایا ہے۔ قرآن کے خلاف محاذ آرائی کوئی نئی بات نہیں ہے نزول قرآن کے دور میں بھی کفار نے اس کی آیات کو بدلنے یا نیا قرآن لانے کا مطالبہ کیا تھا جس کا ذکر خود قرآن نے سورہ یونس میں فرمایا ہے۔

واذا تتلى عليهم آيات بينات لحن ترجمہ: اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن لے آؤ یا اسے بدل دو۔

جس طرح ماضی کے معاندین ناکام رہے آج کے معترضین بھی نامراد رہیں گے۔ نزول قرآن سے آج تک مسلمانوں نے اس کے ترجمہ و تفسیر کے لیے عظیم علمی خدمات انجام دیں لیکن مستشرقین نے جب اس کا مطالعہ شروع کیا تو ان کے مقاصد مسلمانوں سے یکسر مختلف تھے ان کا بنیادی ہدف یہ تھا کہ قرآن کے بارے میں ایسا تجزیہ تیار کیا جائے جس سے عالمی سطح پر لوگ اس کتاب کی حقانیت بارے میں تذبذب اور شک کا شکار ہو جائیں۔ مستشرقین کے اعتراضات درحقیقت وہی پرانے شبہات ہیں جو عہد رسالت میں اٹھائے گئے تھے اور قرآن کریم میں خود ان کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔ ذیل میں ہم ان اعتراضات کا علمی جائزہ لیں گے۔

کلام الہی نہ ہونے پر اعتراض:

اس میں کوئی شک نہیں کہ مستشرقین کی اکثریت یہودیت اور نصرانیت سے تعلق رکھتی ہے تو وہ وجود خداوندی کے بھی قائل ہیں، فلاح انسانی کے لیے آسمانی رہنمائی کی اہمیت پر بھی یقین رکھتے ہیں اور اس بات پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ خدا کا کلام ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ اگر وہ قرآن حکیم کو خدا کا کلام مان لیں تو دین اسلام کی مخالفت کا ان کا سارا منصوبہ خاک میں مل جاتا ہے۔ قرآن کریم کو کلام خداوندی مان لینے کے بعد ان کے لیے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے انکار کی بھی کوئی گنجائش نہیں رہتی، اس صورت میں انہیں قرآن کریم میں بیان کردہ حقائق پر بھی ایمان لانا پڑتا ہے بلکہ قرآن کریم نے ان کی جو ملی جلی کوتاہیوں کا پردہ چاک کیا ہے انہیں ان کا الزام بھی اپنے سر لینا پڑتا ہے۔ قرآن کریم کو کلام خداوندی مان لینے کے بعد انہیں یہودیت نصرانیت کا طوق اپنے گلے سے اتار کر غلامی مصطفیٰ کو اپنانا پڑتا ہے۔ مشہور مستشرق منگمری واٹ قرآن حکیم کو انسانی ذہن کا اختراع ثابت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ حضور ﷺ پورے خلوص اور دیانت داری سے سمجھتے تھے کہ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے لیکن خلوص اور دیانت داری کے باوجود ان کا خیال غلط تھا، چنانچہ اس بارے میں منگمری واٹ نے جو کلمات کہے وہ یہ کہ مسلمانوں کی روایت کے مطابق قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، محمد ﷺ نے خود بھی یہی سمجھا ہو گا مزید برآں یہ بھی ممکن ہے کہ محمد ﷺ یہ اعتقاد رکھتے ہوں کہ وہ اپنے ذاتی خیالات اور اس وحی میں تمیز کر سکتے ہیں جو خارج سے ان پر نازل ہوتی ہے، محمد ﷺ کو مخلص کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اپنے عقائد میں ٹھیک راستے پر تھے بلکہ ممکن ہے ایک آدمی مخلص ہو لیکن اس کے باوجود انسان جن خیالات کو خارج سے آتا ہو محسوس کرتا ہے ممکن ہے خیالات دراصل اس کے اپنے شعور سے ابھر رہے ہوں۔²¹

قرآن پر بائبل سے مانخوڑ ہونے کا الزام:

اکثر مستشرقین کا یہ دعویٰ ہے کہ اسلام کی تعلیمات یہودیت اور نصرانیت سے مانخوڑ ہیں، ان کی خدمت میں ہم گزارش کرتے ہیں کہ وہ ذرا یہ وضاحت فرمائیں کہ قرآن کریم کی وہ تعلیمات جو بائبل کی تعلیمات سے متصادم ہیں وہ حضور ﷺ کو کس نے سکھائی تھیں؟ مستشرقین اگر بولیں گے کہ وہ تعلیمات آپ ﷺ نے غیر مستند یعنی انجیلوں اور ان غلط روایات سے حاصل کی تھی جو اس زمانے میں عیسائیوں اور یہودیوں میں مشہور تھیں۔ ہم گزارش کرتے ہیں کہ ان غیر مستند انجیلوں کے مصنف کون تھے؟ انجیل برنباس کو تو عیسائی مسلمانوں کی تصنیف کہہ کر جان چھڑا لیتے ہیں اور ذرا یہ تو بتائیں وہ اناجیل جن سے رسول اللہ ﷺ نے استفادہ کیا تھا ان کے مصنف کون تھے؟ مسلمان تو نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ انجیلیں اسلام سے پہلے کے دور میں تصنیف ہوئی تھیں، ہم متشرقین سے یہ بھی استفسار کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانے کے عرب یہودیوں

اور عیسائیوں میں جو غلط مذہبی روایات موجود تھیں ان کا ذمہ دار کون تھا؟ ظاہر ہے اسلام ذمہ دار نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ سب طلوع اسلام سے پہلے ہو چکا تھا۔

اس تمام بحث سے یہی واحد نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے کہ وہ اناجیل جنہیں جارج سیل وغیرہ وغیرہ مسترد کہہ رہے ہیں وہ بھی عیسائیوں کے طبقے کے ہاں معتبر تھیں اور وہ عقائد جن کو مستشرق مذکور غلط عیسائی عقائد کا نام دے رہے ہیں وہ عیسائیوں کے کثیر تعداد کے عقائد تھے۔ جارج سیل نے بے خبری میں یہ بات کہہ کر نصرا نیت کی بنیاد ہلا دی لیکن حقیقت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد دنیائے عیسائیت مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئی تھی جن کے مابین شدید فکری اختلافات تھے ہر گروہ کی اپنی انجیل تھی تاہم آخر کار سینٹ پال کا طبقہ غالب آ گیا اس غلبے کے نتیجے میں صرف وہ انجیل مستند قرار پائی جو ان کے عقائد کے موافق تھی جبکہ باقی تمام صحائف کو جو تورات کی تعلیمات اور حواریں عیسیٰ کے اصل عقائد کے قریب تھے غیر مستند قرار دے کر تلف کر دیا گیا۔ قرآن کریم ان سابقہ کتب کی تردید کے لیے نہیں بلکہ ان کے اس جوہر کی تصدیق اور ان پر نگران یعنی محافظ بن کر نازل ہوا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وانزلنا الیک الکتب بالحق مصدقا لما بین یدیہ ²² ترجمہ: اور ہم نے آپ ﷺ کی طرف یہ کتاب سچائی کے ساتھ نازل کی جو اپنے سے پہلے کی کتابوں کی تصدیق کرنے والی اور ان پر نگران ہے۔

اگر یہ ہود و نصاریٰ نے اپنی کتب میں تحریف نہ کی ہوتی تو آج قرآن تورات اور انجیل میں کوئی تضاد نہ ہوتا، بلکہ یہ سب ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔ اس کی واضح مثال انجیل برنباں ہے جو مروج عیسائیت کے بجائے قرآن کے قریب تر ہے اور اس میں نبی کریم ﷺ کی آمد کی بشارت موجود ہے۔ کلیسا کی جانب سے اسے اور اس جیسی ہزاروں انجیلوں کو محض اس لیے غیر مستند کہہ کر تلف کیا گیا ہے کیونکہ ان کی تعلیمات مروج عیسائی عقائد کے منافی تھیں۔ دوسری طرف منگمری واٹ جیسے مستشرقین الزام لگاتے ہیں کہ قرآن کے بنیادی نظریات (یعنی توحید، یوم حساب وغیرہ) اور انبیائے سابقین کے قصص بائبل سے اخذ کیے گئے ہیں وہ یہ مفروضہ قائم کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ نے یہ علوم مکہ کے تجارتی میلوں یمن اور شام کے تاجروں و ورقہ بن نوفل یا مکہ میں موجود عیسائی غلاموں سے سیکھے اس مفروضے کا علمی رد درج ذیل ہے:

• علمی برتری: قرآن کریم جن علوم الہیہ کائناتی حقائق اور بے مثال ضابطہ حیات پر مشتمل ہے کیا وہ اس دور کے کسی راہب تاجر یا غلام کو حاصل تھے؟

• خفیہ تعلیم کا سوال: اگر بحیرہ راہب یا کوئی دوسرا اہل کتاب اتنے بڑے علم کا منبع تھا تو اسے یہ علم خفیہ طور پر آپ ﷺ کو منتقل کرنے کی کیا ضرورت تھی وہ خود ایسی کتاب پیش کر کے ایک عالمی مذہب کی بنیاد کیوں نہ رکھ لیتا؟

• لسانی اعجاز: قرآن نے کفار مکہ کو چیلنج کیا کہ وہ اس جیسی ایک آیت ہی بنا لائیں، اگر یہ کلام کسی عجمی (غیر عرب) سے سیکھا گیا ہو تا تو وہ ایسا فصیح و بلیغ عربی معجزہ پیش کرنے سے قاصر ہوتا۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن اور سابقہ کتب میں پائی جانے والی مشابہت ان کے ایک ہی سرچشمہ (وحی الہی) سے ہونے کی دلیل ہے نہ کہ ایک دوسرے سے نقل کرنے کی۔

غیر عربی ہونے کا الزام:

بعض مستشرقین نے قرآن کریم کے اسلوب اور فصاحت و بلاغت پر اعتراض کرتے ہوئے اسے نعوذ باللہ انسانی کلام ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، ان کے اعتراضات کا محور تکرار کلام، ضما کر کا استعمال اور صرف و نحو کے قواعد ہیں۔

1. تکرار کلام کا اعتراض:

مستشرقین کا دعویٰ ہے کہ قرآن میں مضامین کا تکرار بلاغت کے منافی ہے، حقیقت یہ ہے کہ قرآن میں تکرار محض الفاظ کی گردان نہیں بلکہ مقصد ہدایت کی تاکید، نصیحت اور مختلف پہلوؤں کی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے ہے، یہ اسلوب کلام میں اثر انگیزی پیدا کرتا ہے جسے اعلیٰ بلاغت کا حسن مانا جاتا ہے۔

2. ضماں اور تشنیہ جمع کے استعمال پر اعتراض:

ہذان خصمان اختصموا فی ربہم²³ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہاں تشنیہ دو کے بجائے جمع کا صیغہ استعمال کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عربی قواعد کے عین مطابق ہے یہاں خصمان سے مراد محض دو فرد نہیں بلکہ دو گروہ یعنی دو جماعتیں ہیں، اس لیے جمع کا صیغہ استعمال کیا تاکہ یہ واضح ہو کہ یہ مقابلہ دو بڑی جماعتوں کے درمیان ہے۔ عربی میں ضمیر کا مرجع لفظ کی بجائے معنی یعنی گروہ کی طرف لوٹانا فصاحت کی علامت ہے۔

3. اسماء معرفہ (الیاسین اور طور سینین):

اعتراض کیا گیا کہ الیاسین اور طور سینین کو اصل نام یعنی الیاس اور طور سینا سے بدل کر کیوں لکھا گیا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں اسماء معرب بنائے گئے ہیں، یعنی نام ہے جن کا مختلف اوزان اور لہجوں میں تلفظ عربی لغت میں جائز ہے۔ قرآن نے یہاں قافیہ اور صوتی آہنگ (Rugthum) کو برقرار رکھنے کے لیے یہ اسلوب اختیار کیا ہے جو کلام کے اعجاز کو بڑھاتا ہے۔

4. صرف و نحو اور گنتی (عدد و معدود) کا اعتراض:

آیت "و قطعنا ہم اثنی عشرۃ اسباطا"²⁴ پر اعتراض ہے کہ عدد مونث ہے اور معدود جمع لایا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نحوی اعتبار سے یہاں اسباطا عدد کی تمیز نہیں ہے بلکہ تمیز یہاں محذوف ہے جو کہ قطعاً یا فرقہ مؤنث ہے۔ اسباطا یہاں بدل کے طور پر آیا ہے۔ چونکہ مقصود گروہ بندی یعنی قطعاً کو ظاہر کرنا تھا اس لیے عدد کو مونث لایا گیا جو کہ خالص عربی نحوی قاعدہ ہے۔ غرض مستشرقین کے یہ تمام اعتراضات ان کی عربی زبان کے باریک قواعد اور اسلوب بیان سے ناواقفیت پر مبنی ہیں۔ جنہیں وہ غلطیاں قرار دیتے ہیں، وہ درحقیقت عربی فصاحت کے بلند ترین نمونے ہیں جن کے سامنے اہل زبان یعنی کفار مکہ بھی سرنگوں ہو گئے تھے۔

رسم قرآنی پر اعتراضات:

آرتھر جفری نے کہا ہے کہ مصحف عثمانی چونکہ نقطوں، اعراب اور حرکات سے خالی تھا لہذا ایک ہی لفظ کو ایک قاری "یعلمہ" پڑھتا اور دوسرا "تعلمہ" پڑھتے تو کچھ "یعلمہ" یہی بات اس سے پہلے گولڈزہیر بھی کر چکا تھا اس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ قراءت قرآنیہ رسم کے تابع ہے یعنی رسم سے جتنی قراءت نکل سکتی تھیں وہ قرآنے نکال لیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ رسم قراءت کے تابع ہے، مسلمان علماء میں سے ابن مقسم متوفی 345 ہجری کا یہ خیال تھا کہ اگر کسی قراءت کی گنجائش مصحف کے رسم سے نکلتی ہو اور زبان کے قواعد کے موافق ہو خواہ اس کی سندنا بھی ہو تو ایسی قراءت جائز ہے۔ جبکہ ابن شبنوذ متوفی 328 ہجری کا موقف یہ تھا کہ محض سند پر اعتماد کرنا چاہیے یعنی اگر کسی قراءت کی سند مل جائے تو چاہے وہ رسم مصحف کے مطابق نہ بھی ہو تو اسے پڑھنا جائز ہے۔²⁵

حالانکہ ایسی قراءت میں یہ احتمال موجود ہوتا ہے کہ وہ عرصہ اخیر میں منسوخ ہو چکی ہوں۔ ابن شبنوذ اور ابن مقسم کے افکار کو مسلمان علماء نے قبول نہیں کیا بلکہ وقت کے سلطان نے علماء و فقہاء کی موجودگی میں ان دونوں سے توبہ کروائی تھی اور ان کی توبہ باقاعدہ لکھی گئی تھی۔

خود کلامی اور کلام نفسی کا اعتراض:

ولیم میور کا کہنا ہے کہ پیغمبر ﷺ اسلام عرب معاشرے کی پست اقدار سے ننگ تھے، لہذا آپ ﷺ غور و فکر اور مراقبوں کی طرف مائل ہوئے جس کے نتیجے میں آپ ﷺ نے خدا، انسان، آخرت اور خیر و شر کے بارے میں کچھ تصورات کچھ شاعری یا خود گوئی کی صورت میں بیان کرنا شروع کیا، لیکن جب مخاطبین نے یہ کہا کہ ایک پیغمبر زیادہ لائق ہوتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے تو پیغمبر ﷺ نے اپنی پوزیشن کو واضح کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا کہ یہ خدا کی طرف سے نازل شدہ ہے اور انہوں نے اس ذہنی کیفیت میں کچھ عجیب سا منظر دیکھا جسے انہوں نے فرشتوں سے تعبیر کیا اور وہ مسلسل ایسا ایسا کلام پیش کرتے رہے جو ان کے دل و دماغ میں حد تک بڑھے ہوئے جوش و جذبے کے نتیجے میں نیم مدہوشی کے عالم میں ان سے صادر ہوتا تھا۔²⁶ نعوذ باللہ

رچرڈ نیل مارگو لیتھ اور منگمری واٹ کا کہنا ہے کہ پیغمبر اسلام نے پہلے اللہ کو دیکھنے اور براہ راست وحی وصول کرنے کا دعویٰ کیا جبکہ جرنیل کے واسطے کا تصور بعد میں متعارف کروایا گیا اور ان مستشرقین کے نزدیک وحی سے مراد تجویز یا الہام ہے نہ کہ الفاظ یا کلام۔²⁷ کلام الہی کی وہی تعبیر ہے جس سے قرون وسطیٰ کے بعض مسلمان متکلمین نے یونانی فلسفے سے متاثر ہو کر کلام نفسی کے نام سے پیش کیا تھا، دوسری طرف منگمری واٹ کا کہنا یہ بھی ہے کہ قرآن مجید کو پیغمبر اسلام کی ذاتی تصنیف قرار دینا درست نہیں ہے کیونکہ آپ کا یقین کامل تھا کہ آپ اپنی سوچ اور وحی میں فرق کر سکتے تھے لیکن ساتھ ہی اس کا خیال یہ بھی ہے کہ قرآن مجید الفاظ کے بغیر فکری تبادلہ خیال Simple communication of the Thought without word²⁸ کی کوئی صورت ہے۔

حالانکہ قرآن مجید میں 125 مقامات ایسے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ نازل شدہ کلام ہے اور اس کی تاکید کی گئی ہے کہ جو نازل ہوئے ہیں وہ متعین ہیں نہ کہ کوئی خیال سوچ یا الہام۔

بہر حال مستشرقین کی جانب سے قرآنی نصوص پر کیے گئے اعتراضات کی فہرست اس قدر طویل اور متنوع ہے کہ ایک آرٹیکل میں ان تمام کا کلی احاطہ کرنا قریب بھی ناممکن ہے۔ البتہ زیر نظر آرٹیکل میں ان بنیادی اور کلیدی اعتراضات کو علمی بحث کا حصہ بنایا گیا ہے جو استشرق کی لٹریچر میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں، نیز جن اہم پہلو (یعنی مثلاً کلام الہی کی حیثیت، بائبل سے اخذ کا شبہ اور لسانی اعتراضات وغیرہ کا محاکمہ کیا گیا ہے وہ اس بات کو سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ اکثر اعتراضات عربی لغت سے ناواقفیت یا پہلے سے قائم شدہ تعصبات کا نتیجہ ہیں۔ غرض جو اعتراضات یہاں نہ بھی بیان ہوں حقیقت یہ ہے کہ ان کی نوعیت بھی اسی زیر بحث تفصیل سے مختلف نہیں، بہر حال قرآن کریم اپنی حقانیت اور اعجاز کے باعث ہر دور میں معاندین کے لیے ایک ناقابل تسخیر چیلنج رہا ہے اور ان شاء اللہ رہے گا۔

خلاصہ

حاصل تحقیق یہ ہے کہ تحریک استشرق نے اپنی اصطلاحی اور تاریخی تبدیلیوں کے باوجود ہمیشہ قرآن کریم کی الہامی حیثیت کو اپنا ہدف بنایا ہے، زیر نظر اسائنمنٹ کے آغاز میں استشرق کی لغوی و اصطلاحی وضاحت، لفظ استشرق کا پہلی مرتبہ استعمال، مشرق کی اصل حقیقت، عصر حاضر میں مشرق کے لیے استعمال ہونے والی دیگر اصطلاحات وغیرہ کے حوالے سے مفصل بحث کی گئی، اس کے بعد قرآن کریم پر اعتراضات کرنے والے چند مشہور مستشرقین کے علمی پس منظر اور طریقہ کار اور ان سے متعلق دیگر تفصیلات کو واضح کیا گیا ہے، ان میں تھیڈور نولڈیکے، ولیم کلیئر ٹزڈال، رچرڈ نیل، آرتھر جیفری جیسے نامور مستشرقین شامل ہیں جن کی تصانیف افکار کا مطالعہ استشرقی ذہنیت کو سمجھنے کے لیے ناگزیر ہے، اس کے بعد آرٹیکل میں ہونے والے اعتراضات کا علمی محاکمہ کیا گیا جو قرآنی نصوص پر اٹھائے گئے ہیں جن میں قرآن کی کلام الہی ہونے کی نفی، بائبل سے ماخوذ ہونے کا الزام، غیر عربی الفاظ کی شمولیت کے دعوے، رسم قرآنی پر شکوک اور خود کلامی اور کلام نفسی جیسے اہم موضوعات پر زیر بحث آئے۔

تحقیق سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ قرآنی نصوص پر ہونے والے یہ اعتراضات محض چند شخصیات تک محدود نہیں بلکہ ایک منظم فکری پرہیں جس کا مقصد تحقیق کے لبادے میں وحی الہی کی حجیت کو مشکوک بنانا تھا، اس میں کی گئی تفصیلی بحث اور نصوص کا تجزیہ یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ معترض کوئی بھی ہو، ان کے شبہات کی بنیاد اکثر و بیشتر عربی لغت سے ناواقفیت، تعصب اور وحی الہی کے تصور کو نہ سمجھنے پر کھڑی ہے، یہاں جن بنیادی محاذوں اور کلیدی اعتراضات کا علمی رد پیش کیا گیا ہے وہ مستشرقین کے مجموعی فکری مغالطوں کا پردہ چاک کرنے کے لیے کافی ہے، بہر حال یہ آرٹیکل اس نتیجے پر ختم ہوتا ہے کہ قرآن کریم اپنی حقانیت، بے مثال اسلوب اور اعجاز کے باعث ہر قسم کے انسانی اعتراضات سے بالاتر ہے اور یہ تاقیامت نوع انسانی کی رہنمائی کے لیے ایک غیر متبدل اور محفوظ کلام کے طور پر موجود رہے گا۔

- 1 دکتور عمر بن ابراہیم رضوان، آراء المستشرقین حول القرآن الکریم و تفسیرہ، (الریاض: دار طیبہ، 1992ء)، 186/1-
- 2 ڈاکٹر احمد عبدالحمید غراب، رؤیة الاسلام للاستشراق، ص 4-
- 3 دکتور عمر بن ابراہیم رضوان، آراء المستشرقین حول القرآن الکریم و تفسیرہ، (الریاض: دار طیبہ، 1992ء)، 23/1-
- 4 دکتور فاروق عمر فوزی، الاستشراق و التاريخ الاسلامی، (عمان: الاھلیہ للنشر والتوزیع، الطبعة الاولى 1998ء)، ص 30-
- 5 دی آکسفورڈ انگلش ڈکشنری، (آکسفورڈ: کلانیڈ پریس، 1963ء)، 200/7-
- 6 دکتور عمر بن ابراہیم رضوان، آراء المستشرقین حول القرآن الکریم و تفسیرہ، (الریاض: دار طیبہ، 1992ء)، 23/1-
- 7 د، اسماعیل علی محمد، الاستشراق بین الحقیقہ والتضلیل، (مکتبہ طریق العلم)، ص 19-
- 8 علی بن ابراہیم نملہ، الاستشراق والدراسات الاسلامیہ، (مکتبہ التوبہ، الطبعة الاولى 1997ء)، ص 124-
- 9 ایضاً، ص 132-
- 10 دکتور عمر بن ابراہیم رضوان، آراء المستشرقین حول القرآن الکریم و تفسیرہ، (الریاض: دار طیبہ، 1992ء)، 186/1-
- 11 ایضاً، ص 388-
- 12 سورة الاحزاب 33:37-
- 13 امام، احمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، (بیروت: مؤسسۃ دارالرسالہ)، 324/43-
- 14 Muhammad Mohar Ali, Quran and Orientalists, 1st edition, UK: Jamiyat Ihya al-Sunnah, 2004, pp. 205, 206.
- 15 William St. Clair Tisdall, Accessed 28 March 2013-
- 16 The original sources of the Quran p: 11-
- 17 دکتور عمر بن ابراہیم رضوان، آراء المستشرقین حول القرآن الکریم و تفسیرہ، (الریاض: دار طیبہ، 1992ء)، 104/1-
- 18 ایضاً
- 19 Montgomery wart, Muhammad at mecca UK: Oxford university pp.52,53-
- 20 سورة العنکبوت 29:48-
- 21 سورة یونس 10:10-
- 22 W. Montgomery Watt, Muhammad: Prophet and Statesman, p: 17. Oxford university press 1971-
- 23 سورة المائدہ 5:04-
- 24 سورة الحج 22:19-
- 25 سورة الاعراف 7:16-
- 26 دکتور عبدالفتاح اسماعیل شلی، رسم المصحف و ادھام المستشرقین فی قرأت القرآن الکریم، (جده: دار المنایرہ)، ص 31-
- 27 Muhammad mohar Ali, the Quran and the orientalist 2004 first edition p.135.
- 28 Muhammad Khalifa, Dr . the sublime Quran and the Orientalist, international Islamic publisher 1989,p:12-